ہم آگے بڑھیں گے

ہمارے ملک میں ایک سیاسی تبدیلی آئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے نمائندے منتخب کرنے اور اپنی پسند کی سرکار بنانے کا حق ہندوستانی جمہوریت کی طاقت کی تصویر پیش کرتا ہے۔ اس مرحلے میں جن لوگوں نے اقتدار حاصل کیا ہے اور جن لوگوں نے اقتدار کھویا ہے ان دونوں کو عوام کے فیصلہ کا احترام کرنے میں کافی عاجزی اور انکساری کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقتدار تو عوام کے ہاتھ میں ہے اور اس نے یہ اقتدار نئی پارلیامنٹ اور نئی سرکار کو صرف پانچ سال کے لئے دے دیا ہے۔

کون جیتا؟ کون ہارا؟

ان انتخابات میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی رہنمائی میں قومی جمہوری اتحاد (این۔ڈی۔اے) کی جیت کا پیمانہ خود ان کے حساب اور امید سے دور تھا۔ تو حقیقت میں ہارنے والے کون ہیں؟ متحدہ ترقی پسند محاذ (یو۔پی۔اے) جس نے لگاتار دس سالوں تک عوام کو دھوکا دیا اسی نے اقتدار کھویا۔ یو۔پی۔اے سرکار نہ تو عوام کے لئے متحد تھی اور نہ اپنے اصولوں کے لحاظ سے ترقی پسند تھی۔ پہلے سے ہی کمزور ہو چکی بائیں بازو کی پارٹیاں جو عوام سے دور ہو کر دائیں طرف جا رہی تھیں ان کو کڑوی شکست انعام میں ملی۔ وہ علاقائی پارٹیاں جو دلت اور پچھڑے طبقات کی ترقی کی وراثت کی ہمیشہ دعوہ کرتی تھیں ان کو انکے روایتی ووٹ بینک نے رد کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ سیکولر طاقتیں بھی شکست کھا گئیں۔ یہ ملک کی سیکولر اصولوں کے لئے ایک دھکا بھی تھا۔ مسلم فرقہ جو سب سے بڑی مذہبی اقلیت ہے اس نے بھی شکست میں اپنے حصہ کا مزہ اس معنی چکھا کہ جیتنے والی طاقتیں ان کے شہری اور جمہوری حقوق کی اب تک مخالف تھیں۔

ہندوستان نے ہندو فرقہ پرستوں کے اتحاد اور سیکولر طاقتوں اور اقلیتی طبقوں کے بکھراؤ کا مشاہدہ کیا۔

کیوں جیتے؟ کیوں ہارے؟

انتخابی مہم کے دوران ترقی کا منتر بی۔جے۔پی کے لئے اپنے فرقہ پرست ایجنڈا کو چھپانے کے لئے

صرف ایک مکھوٹا تھا۔ یہ ایک ایسا چناؤ تھا جو کارپوریٹ گروپوں کی اڑیلی ہوئی دولت اور اپنا دبدبا رکھنے والی اس میڈیا کی حمایت سے لڑا گیا جس پر کارپوریٹ گروپوں کا کنٹرول ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر بی۔جے۔پی کی جیت باریک بیں منصوبہ بندی، پکے ارادہ سے کیا گیا فیلڈ ورک، لچکدار حکمتِ عملی اور اثر دار انتخابی مہم کا نتیجہ تھی۔ وہ لوگ الگ الگ گروپوں کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے باہم مخالف کارڈ کھیلنے میں کافی موقع پرست واقع ہوئے۔ ان کے مخالفین کی طرف ووٹروں نے الٹے ڈھنگ سے دیکھا۔ کانگریس، بائیں بازو کی پارٹیاں اور علاقائی پارٹیاں ناامید تھیں اور ان کا کیمپ بٹا ہوا تھا۔ ان کے اندر حکمتِ عملی کی لچک اور انتخابی مہم کی اثر پزیری کیا ہوتی ان کے اندر دور اندیشی، حکمت اور یہاں تک کہ عام سمجھ بھی نہیں تھی۔ ایسے انتخابی حلقوں میں جہاں مسلمان، دلت اور پچھڑے طبقات کے ووٹ فیصلہ کن ہیں وہاں ان میں سے ہر پارٹی نے ایک دوسرے کے خلاف امیدوار کھڑے کیئے اور انہوں نے اپنے ووٹ بینک کو اپنے پسند کے امیدوار کو متحد ہو کر چننے کا موقع نہیں دیا۔ ان حالات میں وہی ہو سکتا تھا جو ہوا

۔

امیدیں اور اندیشے

جمہوریت کی تعریف یہ ٹھیک ہی کی گئی ہے کہ یہ عوام کی سرکار ہے جو عوام کہ ذریعے منتخب کی جاتی ہے اور جو عوام کے لئے ہی ہوتی ہے۔ کوئی بھی سیاسی پارٹی یا سیاسی اتحاد جب ووٹ دیکر اقتدار کی کرسی پر پہونچا دیا جاتا ہے تو اسے آئینی گارنٹیوں؛ جیسے تمام شہریوں اور طبقات کو انصاف، شخصی اور اجتمائی آزادی، مواقع کی برابری اور عوام کے اندر بھائی چارہ اور اتحاد کو قائم رکھتے ہوئے عوام تک بھلائی پہچانا اور ذمہ داری کے ساتھ حکومت چلانا ہوتا ہے۔ نئی سرکار کو کارپوریٹ دنیا نے جو اسے اقتدار میں لانے میں مدد کی تھی اس کا احسان چکانے کی مجبوریوں سے باہر نکلنا ہوگا اور عوام کے زندہ مسائل؛ جیسے بھوک، خوف، ناخواندگی، خراب صحیت اور زندگی گزارنے کی خراب سطح کو حل کرنا ہوگا۔ سرکار کو اقلتیوں کے ان اندیشوں

کو بھی دور کرنا ہوگا کہ ان کے ساتھ امتیاز برتا جائے گا اور ان کی تہذیب اور ان کے تعلیمی حقوق میں کمی کی جائے گی۔

نئی حکومت کے تحت جو ماحول پیدا کیا گیا ہے وہ اشارہ کرتا ہے کہ یہ اندیشے بے بنیاد نہیں ہیں۔ سلامتی اور میڈیا کے دو اہم سیکٹروں کو پوری طرح سیدھے بیرونی سرمایہ کاری کے تحت لانے کا سرکار کا فیصلہ قومی سلامتی اور عوامی رائے کے دائرہ میں بھی جان بوجھ کر لانا سمجھوتا کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بنیادی فرقہ وارانہ معاملوں؛ جیسے یونیفارم سول کوڈ، دفعہ ۳۷۰ اور رام مندر کے تعمیر کے سلسلہ میں سنگھ پریوار کی الگ الگ ذیلی تنظیموں کی جانب سے جو غیر ذمہ دارانہ بیان بازی جاری ہے، اس پر روک نہیں لگائی جا رہی ہے۔ اقلیتی معاملوں کی وزیر نے مذہبی اقلیت کے آئینی تصور پر ہی سوال کھڑا کر دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر نئے سیاسی اقتدار میں ہندتو عناصر کو ملک کے مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ وارداتیں کرنے کے لئے حوصلہ دے دیا ہے۔ بہر حال پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے متحدہ اجلاس کو سرکار کی جانب سے جو صدر جمہوریہ نے خطاب کیا اس میں یہ ٹھیک ہی تسلیم کیا گیا کہ یہ بدقسمتی ہے کہ آزادی کی کئی دہایوں کے گذر جانے کے بعد بھی اقلیتی فرقہ کے کئی طبقات لگاتار غریبی کا شکار ہیں اور سرکاری اسکیموں کے فائدے ان تک نہیں پہنچتے۔ ابھرتی ہوئی صورتِ حال نئی سرکار کے اس وعدہ کا حقیقی امتحان ہے کہ وہ ہندوستان کی ترقی میں تمام اقلیتوں کو برابر کا حصہ دار بنائیں گے۔

سیٹ میں حصہ داری بنام ووٹ کی حصہ داری

حالانکہ یہ کوئی نئی صورتِ حال نہیں ہے، پھر بھی پچھلے انتخابات نے ہندوستانی انتخابی نظام کی بنیادی کمی کو روشنی میں لا دیا ہے۔ خاص طور سے کوئی خاص پارٹی یا اتحاد جتنی سیٹیں حاصل کرتا ہے وہ اس کے حق میں ڈالے گئے ووٹوں کے متناسب نہیں ہوتیں۔ ان انتخابات میں بی۔ جے۔ پی نے پارلیمنٹ کی ۵۴۳ سیٹوں میں سے ۲۸۲ سیٹیں حاصل کر لیں جبکہ اس کے حاصل کیے ہوئے ووٹوں کا فیصد صرف ۳۱ ہے۔ یہ

پارٹی اپنے ووٹوں کی حصہ داری کی مناسبت سے صرف ۱۶۸ سیٹوں کی حقدار ہے۔ بہوجن سماج پارٹی کے معاملہ میں جس نے ۴.۱ فیصد ووٹ حاصل کیا اور اسے پارلیمنٹ کی ایک سیٹ بھی نہیں حاصل ہوئی یہ نظام کی کمزوری کی ایک اور مثال ہے۔ یہ اپنے حاصل ووٹوں کے مطابق ۲۲ سیٹوں کی حقدار ہے۔ بی۔جے۔پی نے اپنی حلیف پارٹیوں کے ساتھ مل کر صرف ۳۸ فیصد ووٹروں کی حمایت حاصل کی جس کا مطلب یہ ہے کہ ۶۲ فیصد لوگوں نے موجودہ سرکار کے خلاف ووٹ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مودی کی قیادت میں بننے والی سرکار کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے مرکز میں بننے والی کسی بھی سرکار میں سے وسب سے کم ووٹ حاصل کیا ہے۔ یہ جیتنے والی پارٹی کے لئے ایک انتباہ ہے کہ اسے زیادہ خاکساری کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور یہ ہارنے والوں کے لئے اقتدار میں واپسی کا ایک وعدہ بھی ہے۔ لیکن اس توازن کی کمی کا آخری حل ہمارے انتخابی نظام کا متناسب نمائندگی کی بنیاد پر سدھار کرنا ہے۔

اتحاد میں زندگی ہے اور بکھراؤ میں موت

انتخابی نتیجہ اور اس کے بعد ابھرنے والی صورتِ حال، تمام سیکولر پارٹیوں اور اقلیتوں کو ایمانداری سے اپنا احتساب کرنے میں لگ جانا چاہئے۔ ایک معنی میں یہ ایسی شکست بھی ہے جس کے یہ حقدار تھے کیونکہ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو نظر انداز کیا تھا۔ جن لوگوں نے ان کو شکست دیا ان سے سبق لینے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ سیکولر پارٹیوں کے لیڈران اور اقلیتی تنظیموں کو اپنی سوچ اور ترجیحات میں تبدیلی لانا بہت ضروری ہے۔ ان کا فوری کام یہ ہے کہ آنے والے انتخابات کو لڑنے کے لئے منصوبہ بندی کے ساتھ اپنی سیاسی بنیادوں کو دوبارہ حاصل کریں اور اسے مضبوط کریں۔ ناانصافیوں سے لڑنے میں انہیں عوام کے درمیان سب سے آگے رہنا چاہئے۔ انہیں آپس میں معمولی اختلافات، جھوٹی شان اور ان چاہے مقابلوں سے بچنا چاہئے۔ اگر ابھی گذشتہ تجربہ سب سے اچھا ٹیچر ہے تو اس کا سبق یہ ہے کہ اتحاد میں زندگی اور بکھراؤ میں موت۔

چیلنجوں کو مواقع میں تبدیل کیجیئے

عزت کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے عزتِ نفس اور خود اعتمادی کی صفات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ خراب مستقبل کو دیکھ کر نا امید ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا ہے کہ ہندوستان میں وہ لوگ اقتدار میں آئے ہیں جن کا ایجنڈا خاص طور سے ہندتو رہا ہے۔ پچھلے سالوں میں جو نام نہاد سیکولر سرکاریں رہی ہیں ان میں بھی قبائلی لوگوں، اقلیتوں کو سلامتی کی زندگی نہیں جینے دیا گیا۔ دبے ہوئے طبقوں کے لئے یہ بہت اہم موقع ہے کہ وہ اپنے ہدف کو طے کریں، اپنے مشن کی منصوبہ بندی کریں اور اپنی زندگی اچھے مستقبل کے لئے لگا دیں۔

ہندوستان اپنے تمام شہریوں اور تمام طبقات کی ایک جیسی ترقی چاہتا ہے۔ ہمیں سبق لینے کے لئے اپنے پچھلے ۶۶ سالوں پر نظر ڈالنا چاہیئے۔ ہمیں نئی سوچ اور نئے مشن کے ساتھ اگلے ۳۳ سالوں پر نظر رکھنا چاہیئے۔

کوئی عظیم کارنامہ چیلینجوں اور مشکلات سے خالی نہیں ہوتا۔ اور حق حاصل کرنے اور نجات کے حصول کے راستہ میں قربانیوں کا کوئی متبادل نہیں ہے۔

نا امیدی رکھنے والا ہر موقع میں مشکلات دیکھتا ہے لیکن امید رکھنے والا انسان ہر مشکل میں موقع تلاش کرتا ہے۔

ہر سرنگ کے آخر میں روشنی ہوتی ہے لیکن اسے دیکھنے کے لئے آپ کو اپنی آنکھیں کھولنی ہوں گی۔

پاپولر فرنٹ آف انڈیا

جی-۶۶ تیسری منزل، شاہین باغ، کالندی کنج، نوئڈا روڈ، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵